# بڑوں کا بچپن

مائل خیرآبادی

# فہرست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# حضرت یوسفؑ کا بچپن

حضرت یوسف علیہ السّلام اللہ کے مشہور نبیوں میں سے ہیں۔ آپؑ کے والد حضرت یعقوب علیہ السّلام بھی نبی تھے۔ دادا حضرت اسحاقؑ بھی نبی تھے اور پردادا حضرت ابراہیم علیہ السّلام بھی نبی تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کنعان میں رہا کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کنعان ہی میں پیدا ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کا پورا حال اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اور اِس قصّے کو سارے قصّوں سے اچھا بتایا ہے۔ ہم اس احسن القصص (سارے قصّوں میں سب سے اچھے قصّہ) سے یہ کتاب شروع کرتے ہیں۔ یہ قصّہ نہایت دل چسپ اور نصیحت والا ہے۔ سنیے اور نصیحت حاصل کیجیے:۔

حضرت یوسفؑ بارہ بھائی تھے، اُن میں سے بن یمین اور حضرت یوسفؑ ماں جائے اور باقی سوتیلے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نہایت خوب صورت، نیک اور سمجھ دار تھے۔ وہ اپنا زیادہ وقت حضرت یعقوبؑ کے ساتھ اللہ کی عبادت میں گزارتے تھے۔

ایک دن کی بات ہے کہ حضرتِ یوسفؑ سو کر اُٹھے تو حضرت یعقوبؑ سے کہا "ابّا جان! رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں"۔ حضرت یعقوبؑ نے خواب سنا، بولے "بیٹا! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے ستائیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرا رب تجھے اپنے کام کے لیے چُن لے گا تجھے اپنا نبی بنائے گا، بڑی سمجھ دے گا اور جس طرح تیرے دادا اسحاقؑ اور پردادا ابراہیمؑ کو اس نے اپنا رسول بنایا تھا اسی طرح تجھ پر بھی اپنی مہربانی فرمائے گا"۔

اس خواب کے بعد حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے ایسی محبت ہوگئی کہ انھیں ہر وقت اپنے پاس رکھتے۔ گھڑی بھر کے لیے بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ یہ بات سوتیلے بھائیوں کو نہ بھائی۔ وہ سب حضرت یوسفؑ سے جلنے لگے۔ ان کو حضرت یوسفؑ سے ایسا حسد پیدا ہوگیا کہ انھوں نے ان کو مار ڈالنے کی ترکیب سوچ لی۔ یہ سب بھائی جنگل میں بکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔ ایک دن کہہ سن کر باپ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ یوسفؑ کو بھی جنگل لے جائیں۔

وہ حضرت یوسفؑ کو جنگل لے گئے۔ وہاں پہنچ کر انھیں پکڑا اور ایک کنویں میں ڈھکیل دیا۔ گھر آکر حضرت یعقوبؑ سے کہہ دیا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا اُٹھا لے گیا۔ یہ سُن کر حضرت یعقوبؑ کو بڑا دُکھ ہوا۔ انھوں نے کہا "ہائے یوسفؑ" پکارا اور اللہ سے دعا کی اور چپ ہو گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بچپن میں بھی ایسے اچھے تھے کہ بھائیوں کے ظلم پر بھی اُن کو بُرا نہ کہا۔ انھوں نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ وہ انھیں کنویں سے نجات دے۔ اللہ نے اُن کی دعا سُن لی۔ ادھر سے ایک قافلہ گزرا

قافلے والے پیاسے تھے۔ وہ کنوئیں کے پاس آئے۔ وہیں پر ٹھہر گئے۔ ایک آدمی کو پانی بھرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو اس میں ایک نہایت خوب صورت بچے کو دیکھا۔ اس نے خوش ہو کر دوسروں کو بتایا پھر نکالا۔ یہ سب لوگ مصر جا رہے تھے۔ انھوں نے یوسف علیہ السّلام کو ساتھ لیا اور مصر میں لے جا کر بیچ ڈالا۔

جی ہاں! بیچ دیا۔ اُس زمانے میں مرد، عورتیں اور بچے بیچے جاتے تھے اِس طرح بیچے ہوئے مرد اور لڑکے غلام اور عورتیں لونڈیاں کہلاتی تھیں۔ سوچیے صاحب، نبی کا بیٹا مصر میں پہنچ کر غلام ہو گیا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کو ایک بڑے آدمی نے خریدا۔ حضرت یوسفؑ اُس کے گھر رہنے لگے۔ پھر ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا۔ اس نے عالموں اور نجومیوں سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ تعبیر کوئی نہ بتا سکا۔ حضرت یوسفؑ نے سنا تو آپ نے تعبیر بتا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ اب بادشاہ کو کیا کرنا چاہیے۔ بادشاہ نے یہ سوجھ بوجھ دیکھی تو حکومت کی کنجیاں حضرت یوسفؑ کو دے دیں کہ لیجیے آپ ہی وہ کچھ کیجیے جو آپ مجھ سے کرانے کے لیے کہتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے ملک کا انتظام سنبھالا اور پھر بڑا اچھا انتظام کیا۔ رعایا کو آپ سے بڑا آرام اور سُکھ ملا۔ آپؑ نے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو بھی مصر میں بُلا لیا جب یہ سب لوگ مصر میں پہنچے تو حضرت یوسفؑ تخت پر بیٹھے تھے۔ اُن سب نے جُھک کر ان کی تعظیم کی۔ یہ دیکھا تو حضرت یوسف علیہ السّلام نے حضرت یعقوبؑ سے کہا:۔

"ابّا جان! یہ ہے میرے بچپن کے خواب کی تعبیر۔ آپ اور امّاں جان سورج اور چاند ہیں اور میرے یہ بھائی گیارہ ستارے۔ دیکھیے

حاشیہ اگلے صفحہ پر

اللہ نے وہ خواب اس طرح سچّا کر دکھایا۔ یہ میرے رب کا بڑا احسان ہے۔ شیطان نے تو میرے اور بھائیوں میں پھوٹ ڈلوادی تھی لیکن ہمارا اللہ جو کچھ بھی کرتا ہے اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ وہ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔" (سورہ یوسف)

# حضرت موسیٰؑ کا بچپن

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بچپن کا حال بڑا دلچسپ اور ایمان بڑھانے والا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اللہ کے وہ مشہور نبی ہیں جن کا حال قرآن مجید میں بہت جگہ بیان ہوا ہے۔ آپ پیدا ہوئے مسلمان گھرانے میں، لیکن آپ کی پرورش ایک کافر بادشاہ کے محل میں ہوئی۔

آپ کے وقت میں ایک بادشاہ تھا، اس کا نام فرعون تھا۔ وہ اپنے کو خدا کہلواتا تھا۔ فرعون کی حکومت میں ایک بہت بڑے نبی کے خاندان کے بہت سے لوگ رہتے تھے۔ یہ سب "بنی اسرائیل" کہلاتے تھے۔ فرعون بنی اسرائیل

---

؎ اِنِّی رَأَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَباً وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَیْتُهُمْ لِیْ سَاجِدِیْنَ (میں نے دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔)

؎ بنی اسرائیل کے معنی ہیں "اسرائیل کی اولاد" حضرت یعقوبؑ اللہ کے نبی ہوئے ہیں۔ ان کو اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ ان کی جو اولاد ہوئی وہ بنی اسرائیل کہلائے۔ حضرت یعقوبؑ کے ایک پیارے بیٹے حضرت یوسفؑ ہوئے۔ حضرت یوسفؑ بھی بڑے (باقی اگلے صفحہ پر)

سے بہت جلتا تھا۔ وہ ان سے ڈرتا تھا کہ کہیں یہ لوگ بغاوت کر کے مصر پر قبضہ نہ کریں۔ اسی لیے وہ ان کو طرح طرح سے ستاتا اور بات بات پر قتل کرا دیا کرتا تھا۔ اس نے یہ بھی حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کے یہاں جو لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر لڑکی پیدا ہو تو اسے زندہ رکھا جائے۔ لڑکیوں سے وہ لونڈیوں کی طرح کام لیتا تھا۔ اس طرح دن پر دن بنی اسرائیل کم ہوئے جا رہے تھے۔۔ بنی اسرائیل مسلمان تھے۔ اُن کا ایمان تو کمزور ہو گیا تھا لیکن وہ فرعون کو خدا ماننے کو تیار نہ تھے۔ اب اللہ کی قدرت دیکھیے۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ صاحبہ بڑی سمجھ دار اور خدا پر بھروسہ کرنے والی تھیں۔ انھوں نے سوچا کہ اگر بچے کی پیدائش کی خبر بادشاہ کو ہوئی تو وہ قتل کرا دے گا۔ تو پھر انھوں نے یہ کیا کہ ایک صندوق میں حضرت موسیٰؑ کو لٹا دیا، پھر صندوق کو بند کر کے دریائے نیل میں بہا دیا۔ بیٹی کو ساتھ کر دیا کہ دریا کے کنارے کنارے جائے اور دیکھے کہ بچہ کہاں پہنچتا ہے۔ یہ لڑکی صندوق کو دیکھتی ہوئی دریائے نیل کے کنارے کنارے چل رہی تھی۔

آگے چل کر فرعون کا محل ملا۔ محل کی چھت پر فرعون کی بیوی کھڑی دریا کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس نے صندوق دیکھا تو حکم دیا کہ اسے نکالا جائے،

---

(حاشیہ گذشتہ صفحے سے آگے)۔ مشہور نبی ہوئے۔ اللہ نے ان کو مصر کی حکومت عطا فرمائی تھی۔ یوسفؑ نے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو مصر میں بُلا لیا تھا اور سب کو شہر سے الگ جگہ آباد کیا تھا۔ حضرت یوسفؑ کے بعد بنی اسرائیل سے مصر والوں کو دشمنی ہو گئی اور مصر کے لوگ انھیں ستانے لگے۔

صندوق نکالا گیا، اسے کھولا تو اس میں بچّہ نکلا۔

فرعون کی بیوی کے کوئی بچہ نہیں تھا۔ اس نے بچہ کو پال لیا۔ فرعون نے دیکھا تو اسے شبہ ہوا۔ اس نے چاہا کہ قتل کروا دے، لیکن فرعون کی بیوی نے سمجھا بجھا کر منع کیا اور اس طرح بچہ محل ہی میں رہ گیا۔

بچے کے لیے ایک دودھ پلانے والی کی ضرورت پڑی۔ مصر کی اچھی اچھی دایائیں آئیں۔ انھوں نے دودھ پلانا چاہا لیکن حضرت موسیٰؑ نے کسی کا دودھ منھ میں نہ لیا۔ یہ دیکھ کر ان کی بہن جو صندوق کے ساتھ ساتھ محل میں چلی گئی تھیں، آگے بڑھیں اور کہا "اگر تم کہو تو میں ایک ایسی دودھ پلانے والی لاؤں جس کا دودھ بچہ ضرور پیے۔" حکم ہوا "لاؤ۔" حضرت موسیٰؑ کی بہن دوڑتی ہوئی گھر آئیں۔ ماں سے سارا حال کہا، پھر ماں کو لے گئیں۔ ماں کا دودھ حضرت موسیٰؑ نے پیا، پھر ان ہی کو دودھ پلانے کے لیے رکھ لیا گیا۔

کیا خدا کی قدرت ہے! حضرت موسیٰؑ دشمن کے گھر پلے بڑھے، پھر جب بڑے ہوئے تو اللہ نے ان کو نبی بنایا اور مصر والوں کو اللہ کی عبادت کرنے کی نصیحت کا کام ان کے سپرد کیا۔ اِس پر فرعون سے ٹھن گئی، تو پھر اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو دریائے نیل میں غرق کر دیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کو دشمن سے چھٹکارا ملا۔

# حضرت سُلیمانؑ کا بچپن

حضرت سلیمان علیہ السّلام اللہ کے نبی تھے۔ حضرت سلیمانؑ کے والد حضرت داؤد علیہ السّلام بھی اللہ کے نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نبی بھی بنایا اور بہت

بڑی بادشاہت بھی دی۔ حضرت سلیمانؑ پر تو اللہ کا اتنا بڑا فضل تھا کہ جانوروں کی بولیاں بھی سمجھ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں اور ہوا کو بھی حضرت سلیمانؑ کے بس میں کر دیا تھا۔

حضرت سلیمانؑ جب چھوٹی عمر کے تھے تو آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو بڑی اچھی اچھی نصیحتیں کیا کرتی تھیں۔ نماز پڑھنے کی بڑی تاکید رکھتیں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حضرت سلیمانؑ کی والدہ صاحبہ نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بیٹا! رات بھر نہ سوتے رہا کرو، رات کا زیادہ حصہ نیند میں گزار دینا انسان کو قیامت کے دن اچھے کاموں سے محتاج بنا دیتا ہے"۔

حضرت سلیمانؑ ساری نصیحتوں کو توجہ سے سنتے اور جو کچھ سکھایا جاتا، وہ کرتے بھی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھ بھی بڑی اچھی دی تھی۔ اُن کے بچپن کی وہ باتیں بہت مشہور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن میں کتنے سمجھ دار تھے۔

۱۔ ایک بار حضرت داؤدؑ کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہو رہا تھا حضرت سلیمانؑ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت عمر شریف صرف گیارہ برس کی تھی۔ مقدمہ یہ تھا کہ ایک شخص کا دوسرے شخص پر یہ دعویٰ تھا کہ اس کی بکریوں نے میرا سارا کھیت چر لیا اور روند کر تہس نہس کر ڈالا۔ کھیت والے کا جتنا نقصان ہوا تھا، وہ قریب قریب اتنا تھا جتنے کی وہ بکریاں تھیں۔ حضرت داؤدؑ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ بکریاں کھیت والے کو اس کے کھیت کے نقصان کے بدلے دے دی جائیں۔

حضرت سلیمانؑ بیٹھے ہوئے مقدمہ دیکھ رہے تھے۔ فیصلہ سن کر بولے "ابا جان! آپ کا فیصلہ تو بالکل ٹھیک ہے، کھیت والے کا جو نقصان ہوا وہ اسے ضرور ملنا چاہیے۔ لیکن میری سمجھ میں ایک صورت اس سے بھی اچھی آ رہی ہے"۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا "وہ کیا صورت ہے؟" بولے "بکریوں

کا گلّہ کھیت والے کو دے دیا جائے وہ اُن کا دودھ پیے اور اُن سے فائدہ اٹھاتا رہے اور بکریوں کے مالک سے کہا جائے کہ وہ اس کے کھیت کو پھر سے جوتے بوئے، پھر جب فصل تیار ہو جائے تو کھیت والے کو فصل کے ساتھ کھیت دے دے اور اپنی بکریاں واپس لے لے۔"

حضرت داؤد علیہ السّلام کو بیٹے کا یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور پھر یہی حکم دے دیا۔

۲۔ ایک اور مقدمہ کا فیصلہ اس سے زیادہ سمجھ داری سے کیا۔ یہ مقدمہ بڑا دلچسپ بھی ہے۔ ہوا یہ کہ دو عورتیں سفر کر رہی تھیں، دونوں کی گود میں ایک ایک بچّہ تھا۔ دونوں ایک جگہ رات کو ٹھہریں۔ بڑی عمر کی عورت کا لڑکا بھیڑیا لے گیا۔ صبح ہوئی تو اُس نے چھوٹی عمر کی عورت کا بچّہ چھین لیا اور کہا کہ یہ بچّہ میرا ہے۔ دونوں اس بچّے کے لیے جھگڑنے لگیں۔ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السّلام کی عدالت میں پہنچا۔ وہاں بڑی عمر کی عورت نے ایسی چالاکی سے باتیں کیں کہ حضرت داؤد علیہ السّلام نے بچہ اسی کو دلا دیا۔ چھوٹی عمر کی عورت روتی چلّاتی عدالت سے نکلی۔ راستے میں حضرت سلیمانؑ ملے۔ حال پوچھا تو قصّہ معلوم ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے دونوں عورتوں کو بُلایا، بچّے کو لیا اور حکم دیا کہ بچّے کو آدھا آدھا کاٹ کر ایک ایک حصّہ دونوں کو دے دیا جائے۔

یہ حکم سنا تو چھوٹی عمر والی عورت اور زیادہ رونے لگی۔ بولی "حضور! بچّے کو نہ کاٹیے، اسی کے پاس رہنے دیجیے، میرا بچّہ میرے پاس نہ رہے نہ سہی، وہ زندہ تو رہے گا، کاٹنے سے مر جائے گا۔" حضرت سلیمانؑ نے یہ سنا تو کہا، یہ بچّہ چھوٹی عمر والی عورت کا ہے۔ پھر جا کر حضرت داؤدؑ سے پوری بات

بتائی۔ معاملہ حضرت داؤدؑ کی سمجھ میں آگیا۔ انھوں نے بڑی عمر والی عورت کو سزا دی۔ اس طرح چھوٹی عمر والی عورت کا بچّہ اسے مل گیا۔

# پیارے رسولؐ کا بچپن

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابھی چھوٹی عمر ہی کے تھے کہ ایک لڑکے نے آپ کو بتایا "معلوم ہے؟ شہر میں رات کے وقت لوگ بڑا مزہ کرتے ہیں۔ کوئی ناچتا ہے، کوئی ناچ دیکھتا ہے، کوئی گاتا ہے، کوئی گانا سنتا ہے، کوئی کہانیاں کہتا ہے، کوئی کہانیاں سنتا ہے اور بھی بہت کھیل تماشوں سے لوگ دل بہلاتے ہیں۔"

آپؐ نے یہ سنا تو دل میں شوق پیدا ہوا کہ ایک رات جاگ کر شہر کے کھیل تماشے دیکھیں۔ آپؐ ایک رات چلے لیکن اللہ کو یہ منظور نہ تھا کہ آپؐ ایسے کھیل تماشوں میں پھنسیں۔ اللہ کو تو یہ منظور تھا کہ آپؐ بچپن میں بھی پاک صاف اور نیک رہیں۔ تو پھر ہوا یہ کہ حضورؐ جاتے جاتے راستے میں کسی کام سے رُک گئے اور پھر نیند آگئی۔ آپ سو گئے اور صبح تک سوتے رہے۔

اسی طرح ایک بار اور چلے تو راستے میں پھوپھی جان کا مکان ملا۔ پھوپھی جان نے دیکھ لیا۔ گھر میں بُلا لیا۔ پھوپھی جان کے یہاں بھی نیند معلوم ہوئی تو وہیں سو رہے، جاگے تو صبح ہو چکی تھی۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے بڑے شرمیلے تھے، ایک بار کعبے کی دیوار گر گئی۔ مکّے والوں نے مل جل کر اسے اٹھانا شروع کیا۔ بوڑھے، جوان، بچّے سب اس کام میں لگ گئے۔ کچھ لوگ پہاڑ پر سے پتھر لانے لگے،

کچھ ان پتھروں کو چورس کرنے لگے، کوئی دیوار چننے لگا۔ لڑکے پتھر لاد لاد کر لا رہے تھے۔ اس وقت پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال کی تھی آپؐ بھی پتھر لانے لگے۔

آپ پہاڑ کے پاس جاتے، بڑا پتھر اٹھاتے، کندھے پر رکھتے اور لا کر کعبے کے پاس ڈال دیتے۔ پھر دوڑ کر جاتے دوسرا پتھر لاتے۔ اس طرح آپ نے اپنے کندھوں پر بار بار پتھر رکھے تو آپ کے کندھے چھِل گئے۔

آپ کے ساتھ آپ کے چھوٹے چچا بھی پتھر لا رہے تھے۔ ان کا نام عباسؓ تھا۔ وہ عمر میں آپؐ سے کچھ ہی بڑے تھے۔ آپؐ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ چچا عباسؓ نے آپؐ کے کندھوں کو چھِلا ہوا دیکھا تو آپؐ کے پاس آئے، آپؐ کا تہمد کھولا، تہہ کیا اور آپؐ کے کندھوں پر رکھ دیا۔ چچا عباسؓ کا مطلب یہ تھا کہ پتھر لانے میں کندھا نہ چھِلے۔

تہمد کھلنے سے حضورؐ کا شرم کے مارے بُرا حال ہوگیا۔ شرم کے مارے بے ہوش ہوگئے۔ لوگ دوڑ پڑے۔ ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ ذرا ذرا ہوش آیا تو آپ بولے "میرا تہمد میرا تہمد" اب لوگ سمجھے۔ انھوں نے تہمد باندھ دیا تو آپؐ کا دل ٹھکانے ہوا۔

# حضرت ابو بکر صدیقؓ کا بچپن

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھی تھے۔ وہ پیارے رسولؐ سے اور پیارے رسولؐ اُن سے بڑی محبت کرتے تھے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ (پیارے ساتھیوں) میں

سب سے بڑے اور بزرگ صحابی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ چُنا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بڑی اچھی طرح اسلامی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ حضرت صدیق رضؓ کے بچپن کے حالات میں سے صرف ایک واقعہ کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ "جب میں بچّہ تھا تو ایک بار میرے والد ابو قحافہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک کوٹھری میں لے گئے۔ اس میں بُت رکھے ہوئے تھے۔ ایک بُت کو دکھا کر کہا "یہ تمہارا معبود ہے، اسے سجدہ کرو"۔ یہ کہہ کر مجھے وہیں چھوڑ دیا اور خود چلے گئے۔ میں نے بُت کے پاس جا کر کہا "میں ننگا ہوں مجھے کپڑے پہنا"۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے پھر کہا "میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا"۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے ایک پتھر اُٹھایا اور کہا "میں تجھے مارتا ہوں اگر تو خدا ہے تو اپنے کو بچا"۔ اس نے پھر بھی کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے اس پر ایک پتھر دے مارا اور وہ منہ کے بَل گر پڑا"۔

# حضرت علی رضؓ کا بچپن

حضرت علی رضؓ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اور پیارے داماد بھی۔ بچپن ہی سے بڑے سمجھدار اور بہادر تھے۔ آپ ابھی چھوٹی عمر ہی کے تھے کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے نبی بنایا۔ پھر جب حضورؐ نے لوگوں کو اللہ کا پیغام سنایا، اسلام کی طرف بلایا تو جو پانچ بزرگ سب سے پہلے

---

ے پوجنے کے لائق یعنی خدا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اُن میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ حالانکہ اس وقت عمر شریف بارہ برس سے کم ہی تھی۔

نبی ہونے کے کچھ ہی دنوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دعوت کا انتظام کرو۔ حضرت علیؓ نے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ اس دعوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے سبھی لوگ تھے۔ چچا ابوطالب تھے، حضرت عباسؓ تھے، حضرت حمزہؓ تھے، وغیرہ۔

جب سب لوگ کھا پی چکے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر فرمائی۔ آپؐ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جس سے تمہاری دنیا بھی سُدھر جائے گی اور دین بھی، اس کام میں کون میرا ساتھ دے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سنی تو لوگ کچھ نہ بولے۔ محفل میں سنّاٹا چھا گیا اس وقت حضرت علیؓ تھے بارہ برس کے۔ قد بھی بڑا نہ تھا، ہاتھ پیر بھی طاقتور اور موٹے نہ تھے۔ بدن بھی دُبلا پتلا تھا، آنکھیں بھی دُکھ رہی تھیں لیکن تھے اس وقت بھی بڑے ہی بہادر اور جوشیلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سن کر اپنا جوش دبا نہ سکے، بڑے بڑے لوگ موجود تھے سب کے سامنے حضورؐ سے کہا:۔

"یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت میری آنکھیں آئی ہوئی ہیں اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ میری ٹانگیں پتلی ہیں اور ہاں یہ بھی ٹھیک ہے کہ میں ابھی بچّہ ہی ہوں۔ پھر بھی یارسول اللہ! میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"

حضرت علیؓ نے یہ کہا تو لوگ ان کا منھ تکنے لگے کہ یہ بچّہ کیا کہہ رہا ہے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ فرمایا ہے اسے سمجھا بھی یا یوں ہی جوش میں آکر کہہ دیا۔"

لیکن، آگے چل کر سب نے دیکھ لیا کہ اس بچّے نے اسلام کے لیے اپنی

جان لڑادی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اونچا اور اسلام کا بول بالا کیا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

## حضرت زید رضؓ بن حارثہ کا بچپن

انسان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ بہت گھبراتا ہے لیکن دیکھا گیا ہے کہ وہی مصیبت اسے ایک بڑے مرتبے پر پہنچا دیتی ہے۔ حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈھکیل دیا۔ انھوں نے اپنے خیال میں یوسفؑ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ لیکن خدا کی قدرت دیکھیے، خدا نے انھیں کنویں سے نکلوا کر مصر پہنچایا۔ وہاں غلام بنا کر بیچے گئے اور پھر حکومتِ مصر کے کرتا دھرتا بنا دیے گئے۔

ایسا ہی حال حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اللہ کی حکمت اور اس کے بھید کو کوئی نہیں جانتا۔ حضرت زیدؓ اپنی والدہ کے ساتھ ننہال جا رہے تھے۔ اس وقت ان کی عمر سات آٹھ سال کی تھی، راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ ڈاکو حضرت زیدؓ کو بھی ماں سے چھین کر لے گئے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں بیچ ڈالا۔

غور کیجیے کہ یہ مصیبت حضرت زیدؓ کی ماں کے لیے، ان کے باپ کے لیے اور خود ان کے لیے کتنی بڑی مصیبت کہی جا سکتی ہے۔ لیکن آگے کا حال پڑھ کر معلوم ہوگا کہ یہی مصیبت ایک بہت بڑی نعمت پانے کا ذریعہ بن گئی۔

ہوا یہ کہ زیدؓ کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجہؓ کے

بھتیجے حکیم بن حزام نے خریدا اور مکّے میں لاکر پھوپھی جان کو دے دیا اور حضرت خدیجہ رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ حضورؐ کی غلامی سے بڑھ کر ایک انسان کو اور کیا عزت مل سکتی ہے۔ بڑے ہو کر حضرت زید رضؓ خود اس غلامی پر فخر کیا کرتے تھے۔ بڑی سے بڑی قیمت پر حضورؐ کی غلامی سے نکلنے کو تیار نہ تھے۔

زید رضؓ تو حضورؐ کی غلامی میں تھے۔ ان کے وطن یمن میں ان کے ماں باپ بیٹے کی جدائی میں بہت پریشان تھے۔ رات دن روتے اور جگہ جگہ تلاش کرتے۔ بہت دنوں کے بعد کسی نے بتایا کہ تمہارا بیٹا مکّہ میں محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ہے۔

یہ سن کر حضرت زید رضؓ کے والد حارثہ نے اپنے بھائی کعب کو ساتھ لیا، مکّہ آئے، حضورؐ سے ملے۔ اور اس طرح اپنا دُکھڑا سنانے لگے" اے عبداللہ کے شریف بیٹے! اے عبدالمطلب کے شریف بیٹے! اے اپنی قوم قریش کے بیٹے! تم سب لوگ کعبے والے ہو، ہر اُس شخص کی مدد کرتے ہو جسے مصیبت میں دیکھتے ہو، تم قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہو۔ ہم تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تم ہمارے لڑکے کو آزاد کردو اور اس کے بدلے جتنا روپیہ چاہو لے لو ہم منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہیں۔"

حارثہ سے یہ سنا تو حضورؐ نے فرمایا" تم کس لڑکے کے بارے میں کہتے ہو؟" بتایا کہ زید رضؓ کے بارے میں۔ حضورؐ نے زید رضؓ کے بارے میں سنا تو ذرا دیر کے لیے چُپ ہو گئے۔ سچی بات یہ تھی کہ حضورؐ کو زید رضؓ سے بڑی محبت ہو گئی تھی۔ آپؐ زید رضؓ کو بیٹے کی طرح پال پوس رہے تھے اور زید رضؓ بھی بڑی فرمانبرداری کے ساتھ آپ کے پاس رہ رہے تھے اور وہ سب کچھ سیکھ رہے تھے جو دوسری جگہ نہیں سیکھ سکتے تھے۔ حضورؐ ان سے بہت راضی اور خوش تھے۔ اب جو حارثہ

نے اپنے بیٹے کو مانگا تو آپؐ کو دُکھ ہوا۔ آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ زید کو نظروں سے اوجھل ہونے دیں۔ آپؐ نے حارثہ سے کہا "تم اس کے سوا کچھ اور نہیں چاہتے ہو؟" حارثہ نے جواب دیا "نہیں"۔ فرمایا "اچھا، زید کو بلاؤ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو تم شوق سے لے جاؤ اور اگر میرے ساتھ رہنا چاہے تو خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کہ جو مجھ سے الگ نہ ہونا چاہے میں اسے الگ کروں"۔

حارثہ اور ان کے بھائی کعب نے یہ شرط منظور کرلی۔ ان کا خیال تھا کہ بیٹا غلام بنا ہوا مصیبت کے دن گزار رہا ہے، وہ آزادی کو ضرور پسند کرے گا انھیں کیا معلوم کہ حضرت زیدؓ اس مبارک انسان کی غلامی میں تھے جو دنیا بھر کے غلاموں کو آزادی دلانے آیا تھا اور حضرت زیدؓ حضورؐ کی غلامی میں بڑی اونچی اونچی باتیں سیکھ رہے تھے اور خود بڑے آدمی بن رہے تھے۔

اچھا تو حضرت زیدؓ بلائے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا "تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟" جواب دیا "جی ہاں" "یہ میرے باپ حارثہ ہیں اور یہ میرے چچا کعب ہیں"۔ آپؐ نے پھر زیدؓ سے فرمایا "تم مجھے بھی پہچانتے ہو، تم کو اختیار ہے چاہے اپنے گھر چلے جاؤ، چاہے میرے ساتھ رہو"۔ حضرت زیدؓ نے جواب دیا "میں ایسا نہیں ہوں کہ آپؐ کو چھوڑ دوں، آپؐ ہی میرے باپ ہیں، آپؐ ہی میری ماں"۔

بیٹے کا یہ جواب سنا تو باپ اور چچا دنگ رہ گئے۔ بولے "بیٹا! بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم غلامی سے آزادی پا رہے ہو لیکن غلامی ہی پسند کرتے ہو۔ تم اپنے باپ، چچا اور خاندان کو پیارے ہو اور تم ہم سب کو چھوڑ رہے ہو، تم وطن کو جا سکتے ہو لیکن تم وطن جانا نہیں چاہتے؟"

جواب دیا "جی ہاں، مجھے اس ذات پاک میں ایسی خوبیاں نظر آئیں کہ

میں سب کو چھوڑ سکتا ہوں، اس مبارک ذات کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

یہ جواب سنا تو حضورؐ نے زیدؓ کا ہاتھ پکڑا، کعبے کی طرف چلے۔ زیدؓ کے والد اور چچا بھی پیچھے پیچھے چلے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ کعبے میں پہنچ کر حضورؐ نے بلند آواز سے کہا" لوگو! گواہ رہو، زیدؓ آج سے میرا بیٹا ہے، میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہوگا۔"

زیدؓ کے باپ اور چچا نے یہ اعلان سنا تو خوش ہوگئے۔ دونوں سمجھ گئے کہ زیدؓ کو یہاں جو سکھ چین ہے اور جو کچھ مل رہا ہے وہ کہیں نہیں مل سکتا۔ دونوں خوش خوش یمن کو چلے گئے۔ گھر والوں کو اطمینان دلایا کہ زیدؓ بڑے آرام سے ہے اور وہ بہت بڑا آدمی بننے والا ہے۔

سچ مچ زیدؓ بڑے ہوکر بہت بڑے آدمی ہوئے۔ ہم اس کتاب میں بڑوں کے بچپن ہی کا حال لکھ رہے ہیں۔ اس لیے زیادہ پھیلاؤ میں نہیں پڑنا چاہتے۔ لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ زیدؓ بن حارثہ پیارے رسولؐ کے پیارے، پیارے رسولؐ کے پیارے ساتھیوں کے پیارے اور تمام مسلمانوں کے پیارے تھے۔ بڑے بڑے صحابہؓ ان کی بڑائی پر رشک کرتے تھے۔ زیدؓ حضورؐ کے رازدار تھے حضورؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن کی شادی ان کے ساتھ کردی۔ حضورؐ جب کہیں فوج بھیجتے اور اس فوج میں زیدؓ ہوتے تو اُن ہی کو افسر بناتے۔ ایک بڑی مہم میں تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ اور ایسے ہی بڑے بڑے صحابہؓ تھے لیکن اِن سب کا امیر زیدؓ ہی کو بنایا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ ہوسکتا ہے کہ زیدؓ سے اللہ خوش ہوا، اللہ کا رسولؐ خوش رہا اور تمام مسلمان خوش رہے اور انھوں نے شہادت کا مرتبہ پایا۔

# حضرت زبیرؓ کا بچپن

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن دس صحابہؓ میں سے ہیں جن کے لیے حضورؐ نے جنّتی ہونے کا ایک ہی وقت میں اعلان فرما دیا تھا۔ ان کے بچپن کا حال بڑا مزے دار ہے۔ حضرت زبیرؓ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے انھیں پالا۔ حضرت صفیہؓ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہؓ کی سگی بہن تھیں۔ وہ بڑی ہی بہادر خاتون تھیں اور چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا بھی بہادر، نڈر اور سمجھ دار بنے۔ وہ اپنے بیٹے زبیرؓ سے بڑے بڑے مشکل کام لیتیں۔ اور ایک منٹ کے لیے بے کار نہ رہنے دیتیں۔ ایک بچے کو مشکل مشکل کام کرتے دیکھ کر لوگ حضرت صفیہؓ سے کہتے "ارے کیا بچے کو مار ڈالو گی؟" وہ جواب دیتیں "میں اسے عقل مند، نڈر اور بہادر بنا رہی ہوں۔"

ہوا بھی ایسا ہی، حضرت زبیرؓ بچپن ہی سے بڑے بہادر اور نڈر ہو گئے ابھی ٹھیک سے جوان بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک پہلوان سے کشتی ہو گئی۔ انھوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ پہلوان دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگ پہلوان کو لاد کر حضرت صفیہؓ کے پاس لے گئے اور حال کہا۔ بولیں "سچ کہنا، تم نے میرے بیٹے کو کیسا پایا؟ بہادر یا ڈرپوک؟"

حضرت زبیرؓ نوجوانی ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ حضورؐ سے انھیں بڑی محبت تھی۔ ایک دن کافروں نے حضورؐ کو قید کر دیا۔ حضرت زبیرؓ نے سُنا تو غصے کے مارے تلوار کھینچ لی اور حضورؐ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ حضورؐ

گھر پر ملے۔ آپؐ نے ان کو ننگی تلوار لیے اور غصّے میں دیکھا تو پوچھا "یہ غصّہ کیسا؟" جواب دیا "میں نے سُنا تھا کہ کافروں نے آپؐ کو قید کر دیا ہے، تو میں آپ کو چھڑانے نکلا ہوں۔"

اس چھوٹی سی عمر میں یہ بہادری اور محبت دیکھ کر پیارے رسولؐ بہت خوش ہوئے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے سب سے پہلے جس نے تلوار نکالی وہ یہی نوجوان حضرت زبیرؓ تھے۔

# بی بی فاطمہؓ کا بچپن

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی تھیں۔ عورتوں میں بی بی فاطمہؓ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ بزرگ خواتین کے نام لیے اور فرمایا کہ ان کو ساری دنیا کی عورتوں پر بڑائی حاصل ہے۔ ان پانچ بزرگ خواتین میں حضرت فاطمہؓ کا نام بھی ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی ساری زندگی (گود سے لے کر گور تک) اسلام کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ وہ بچپن میں نہایت نیک اور شریف تھیں۔ اپنے پیارے ابّا جان اور پیاری امّی جان کا بڑا ادب کرتیں۔ ماں باپ کے سامنے زیادہ آواز سے نہ بولتیں۔ ان کی طرف پیٹھ کر کے بھی نہ بیٹھتیں۔ ابّا جان اور امّی جان کا کام کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ بچپن ہی سے بڑی نڈر اور بہادر تھیں۔ حضرت بی بی فاطمہؓ کے بچپن کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار کعبے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ

تھا جب مکّے کے لوگ حضورؐ کے دشمن ہو رہے تھے اور ان کی یہ دشمنی اس لیے تھی کہ آپؐ اللہ کے حکم سے اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے اور یہ بات مکّے والوں کو پسند نہ تھی۔ مکّے والے طرح طرح سے آپؐ کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہے تھے اور ستاتے بھی رہتے تھے۔

اسی زمانے میں ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کافروں نے دیکھا تو انھیں شرارت سوجھی۔ انھوں نے اونٹ کا اوجھ منگوا کر آپؐ کی گردن پر ڈال دی۔ نماز کی حالت میں اوجھ کے بوجھ سے آپؐ دبے جا رہے تھے اور کافر دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ یہ بات کسی نے جا کر بی بی فاطمہؓ سے کہی۔ بی بی فاطمہؓ کی عمر اس وقت پانچ چھ برس سے زیادہ نہ تھی، پھر بھی وہ سنتے ہی باپ کی مدد کو دوڑ پڑیں۔ آکر اوجھ ہٹا دی اور کافروں کو بُرا کہنے لگیں، ان کو خوب ڈانٹا۔

# حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بچپن

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے تو نوجوان ہی، لیکن وہ بھی بڑے صحابہؓ میں گنے جاتے ہیں۔ بڑے ہوئے تو حدیث کے بہت بڑے امام مانے گئے۔ مشہور تھا کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرنے والا دیکھنا چاہتے ہو تو عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھو اور بھی بڑائیاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حاصل تھیں۔ وہ اپنے وقت کے اتنے بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے بعد انھیں خلیفہ چُننا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے منع فرما دیا تھا کہ میرے بیٹے پر یہ بوجھ

نہ ڈالا جائے۔ ایسے بڑے بزرگ کے بچپن کا کچھ حال کتابوں میں ملتا ہے جیسے نیچے لکھا جاتا ہے:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت تھی کہ وہ بات بات میں حضورؐ کی پوری نقل کرنے کی کوشش کرتے۔ بچپن ہی سے یہ شوق تھا کہ حضورؐ پر جان نچھاور کر دیں۔ بدر کی مشہور لڑائی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوئی، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۱۳ سال کے تھے پھر بھی ہتھیار لگا کر فوج میں جا پہنچے کہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر کافروں سے لڑوں گا۔ حضورؐ نے اس کمسن سپاہی کو دیکھا تو خوش ہوئے اور سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ اُحد کی لڑائی میں چودہ برس کے تھے، اِس میں بھی جا شریک ہوئے۔ لیکن حضورؐ نے پھر واپس کر دیا کہ ابھی چھوٹے ہو۔ خندق کی لڑائی میں شرکت کا موقع ملا۔ اُس وقت پندرہ برس کے ہو گئے تھے حضورؐ ان کی بہادری اور جرأت پر بڑے خوش تھے۔

اس بہادری کے ساتھ ساتھ اللہ نے علم بھی بچپن ہی سے دیا تھا۔ سمجھ ایسی اچھی تھی کہ بات کی گہرائی تک جا پہنچتے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ حضورؐ کے پاس بڑے بڑے صحابہؓ بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ وہ درخت کون سا ہے جو ایک مسلمان کی طرح سدا بہار (پورے سال ہرا بھرا رہتا) ہے۔ اس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے۔

حضورؐ کے اس سوال پر تمام صحابہؓ چپ رہے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی کچھ نہ بولے۔ عبداللہ بن عمرؓ سمجھ گئے کئی بار ہمت کی کہ بتائیں مگر بڑے بڑوں کی موجودگی، بول نہ سکے کہ جب یہ نہیں بولتے

تو چھوٹوں کے لیے نہ بولنا ہی اچھا ہے۔

گھر جاکر والد صاحب کو بتایا کہ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ درخت کھجور کا ہے لیکن ادب کے سبب سے بتا نہ سکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "بیٹا تم کو جواب دینا چاہیے تھا، اگر تم بتا دیتے تو یہ مجھے بڑی بڑی چیزوں سے زیادہ پسند آتا۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بچپن کا حال اتنا ہی معلوم ہو سکا۔ جب بڑے ہوئے اس وقت جو بڑائی ملی اُس کا حال کتابوں میں بھرا پڑا ہے۔ بہر حال یہ سب سمجھ چکے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بڑے ہو کر سچ مچ بڑے ہو جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

# حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ کا بچپن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ جب پیدا ہوئے تو حضرت عباسؓ انھیں حضورؐ کے پاس لے گئے۔ آپؐ نے لعابِ دہن (تھوک) چٹا دی اور دعا دی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بچپن ہی سے بڑے سمجھ دار، بڑے نیک اور بڑی سوجھ بوجھ والے تھے۔ انھیں ہر بات جاننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ پھر وہاں سے دوڑتے ہوئے گھر آئے۔ اپنے ابا جان (حضرت عباسؓ) سے کہا "آج میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صاحب کو دیکھا جن کو میں نہیں جانتا، بڑا اچھا ہوتا اگر جانتا وہ کون تھے۔"

حضرت عباسؓ کا خیال حضرت جبریلؑ کی طرف گیا۔ انھوں نے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ حضورؐ نے یہ سنا تو پیار بھری نظروں سے حضرت عبداللہ کو دیکھا پھر گود میں بٹھا لیا۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور یہ دعا کی " اے اللہ! اس بچے پر اپنی برکت نازل فرما اور اس کے ذریعے علم کی روشنی پھیلا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کو بہت چاہتے تھے۔ حضرت عبداللہ رضؓ بھی حضورؐ سے بہت مانوس (ہِل گئے) تھے۔ آپؐ کے چھوٹے چھوٹے کام کر دیا کرتے تھے۔ ایک بار کھیل رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر سے نکلے۔ عبداللہ رضؓ حضورؐ کو دیکھ کر ایک جگہ چھپ گئے اور مسکراتے رہے۔ حضورؐ نے دیکھ لیا، جا کر پکڑا۔ سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد فرمایا " جاؤ، معاویہ رضؓ کو بُلا لاؤ۔ (حضرت معاویہ رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب اور منشی تھے) عبداللہ رضؓ دوڑتے ہوئے گئے اور ان سے کہا " چلیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بُلایا ہے، کوئی خاص ضرورت ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کو یہ جاننے کا بڑا شوق تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے ہیں۔ یہ بات جاننے میں حضرت عبداللہ کو کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی۔ ایک تو یہ کہ وہ حضورؐ کے ننھے منّے چچازاد بھائی تھے، دوسرے یہ کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضؓ کے بھانجے[۵] تھے۔ اس رشتے سے حضرت عبداللہ رضؓ حضورؐ کے گھروں میں بے روک ٹوک چلے جاتے۔ ام المومنین رضؓ ان کو چاہتی بھی بہت تھیں۔ اکثر راتوں میں خالہ کے یہاں سو رہتے۔

ایک رات حضرت عبداللہ اپنی خالہ کے یہاں تھے اور جاگ رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کی ضرورت ہوئی۔ آپ نے اِدھر اُدھر دیکھا حضرت

---

۵ ام المومنین حضرت میمونہ رضؓ اور حضرت عبداللہ کی ماں حضرت ام الفضل سگی بہنیں تھیں۔

عبداللہ سمجھ گئے، چپکے سے اُٹھے، وضو کے لیے پانی لاکر رکھ دیا اور پھر لیٹ گئے۔ حضورؐ نے وضو فرما کر پوچھا "پانی کون لایا تھا؟" حضرت میمونہؓ نے بتایا۔ حضورؐ خوش ہوگئے اور یہ دعا دی "اے اللہ اس بچے کو دین کی سمجھ دے اور ایسی اچھی سمجھ اور علم دے کہ یہ ہر بات پا جائے یعنی بات کا منشا سمجھ لے"۔

ایک رات حضورؐ جاگے۔ آپؐ نے وضو فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ حضرت عبداللہ سو رہے تھے، جاگے تو خود بھی وضو کیا اور جاکر حضورؐ کے بائیں طرف کھڑے ہوگئے۔ حضورؐ نے سر پکڑ کر داہنی طرف کرلیا اسی طرح ایک بار حضورؐ کے پیچھے جاکر کھڑے ہوگئے۔ آپؐ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور برابر کھڑا کرلیا۔ یہ برابر کھڑے ہوتے ہوئے بہت گھبرائے۔ اسی گھبراہٹ میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ حضورؐ نماز پڑھ چکے تو پوچھا "تمہارا کیا حال ہے؟" عرض کیا "یارسول اللہ! آپ کے برابر کسی کو کھڑا ہونا ٹھیک بھی ہے؟ آپ تو اللہ کے رسولؐ ہیں"۔ یہ سمجھ داری اور ادب دیکھ کر حضورؐ نے بڑی دعائیں دیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضورؐ سے اس درجہ ہل مل گئے تھے کہ ہر وقت آپؐ کے ہی پاس رہنے کی کوشش کرتے۔ حضورؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوتے تو بھی عبداللہؓ پہنچ جاتے اور حضورؐ اپنے پاس بٹھا لیتے۔

ایک بار عبداللہؓ حضورؐ کے داہنی طرف بیٹھے تھے، اتنے میں کہیں سے دودھ آیا۔ حضورؐ نے پیالے سے دو تین گھونٹ پیا۔ آپؐ کا قاعدہ تھا کہ آپ ہر کام داہنی طرف سے شروع فرماتے تھے۔ دودھ پی کر چاہا کہ صحابہؓ کو دیں داہنی طرف دیکھا تو عبداللہ بن عباسؓ کو بیٹھے پایا۔

"اے بیٹے! قاعدے سے تو تمہارا ہی نمبر ہے لیکن تم کہو تو تم سے پہلے بڑے صحابہؓ کو پیالہ دے دوں"۔

حضورؐ پی فرما رہے تھے اور عبداللہ بن عباس رضؓ کی نظر پیالے پر اس جگہ تھی جس جگہ حضورؐ نے منہ لگا کر دودھ پیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا "یا رسول اللہ! میں بڑی سے بڑی قربانی کر سکتا ہوں لیکن یہ بڑائی نہ چھوڑوں گا کہ جس جگہ آپؐ کے ہونٹ چھوگئے ہیں وہاں پر سب سے پہلے میں اپنے ہونٹ لگاؤں"۔

حضورؐ مسکرا دیئے اور پیالہ انھیں دے دیا۔ انھوں نے گھونٹ دو گھونٹ دودھ اسی جگہ منہ لگا کر پیا جس جگہ سے حضورؐ نے پیا تھا اس کے بعد دوسروں کی طرف بڑھا دیا۔

اس طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بچپن حضورؐ کے پاس گزرا۔ ظاہر ہے کہ کیا کچھ نہ حضورؐ سے سیکھا ہوگا۔ پھر بار بار حضورؐ سے دعائیں لیں۔ یہ ان کی بہت بڑی خوش نصیبی تھی۔ ان باتوں کا اثر یہ پڑا کہ بچپن ہی میں لوگ ان کو "سمجھ والا" کہنے لگے تھے اور پوچھا کرتے کہ فلاں بات حضورؐ نے کیسے کی؟

حضرت عبداللہؓ تیرہ برس کے ہوئے ہی تھے کہ حضورؐ کو اللہ نے اپنے پاس بلا لیا۔ کم عمری میں بھی انھوں نے حضورؐ سے جو سیکھا اور یاد رکھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے بڑے صحابہؓ کی مجلس میں انھیں بٹھاتے تھے اور وہاں جب دین کی باتیں ہوتیں تو موقع دیتے کہ عبداللہؓ بھی بولیں۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان صحابیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جو عالم اور فاضل تھے۔ حضرت عبداللہؓ بھی موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے سورۂ نصر پڑھی (اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ــــــ آخر تک[۵]) اور پوچھا "تم لوگوں کا کیا خیال ہے اور اس کے معنی کیا ہیں؟" تمام بزرگوں نے مطلب

---

۵ جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے تو اے نبی! توبہ اور استغفار کرو۔

بیان کیا۔ پھر جب عبداللہ بن عباس رضؓ سے پوچھا اور جب انھوں نے کہا کہ اس سورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی گئی ہے تو حضرت عمر رضؓ پھڑک اٹھے اور خوش ہو کر شاباشی دی، پھر فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بڑی عمر کے صحابہ رضؓ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کو بیٹھا دیکھ کر لوگ کہتے کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ ان بڑوں کے برابر اس بچّے کو نہ بٹھانا چاہیے۔ حضرت عمر رضؓ جواب دیتے کہ اس بچّے کی سوجھ بوجھ کی دھاک تم سب کے دلوں پر ہے، یہ بات تم سب جانتے ہو۔

ظاہر بات ہے جس بچّے پر اللہ کا اتنا فضل ہو، جو اوپر بیان ہوا وہ بڑا ہو کر کتنا بڑا آدمی ہوا ہوگا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن کا علم، حدیث کا علم، فقہ کا علم، ادب اور شاعری کا علم انھیں اتنا تھا کہ اُس وقت کے سب سے بڑے عالم حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ بھی ان کا لوہا مانتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ عبداللہ بن عباس رضؓ قرآن کے کیسے اچھے ترجمان ہیں یعنی قرآن کی باتیں بڑی اچھی طرح بیان کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے بہت سے حالات کتابوں میں ملتے ہیں جن سے ان کی بڑائی کا پتہ چلتا ہے۔ ہم نے تو صرف بچپن ہی کا حال لکھا ہے۔ اس سے ہی سمجھا جا سکتا ہے، آگے چل کر وہ کتنے بڑے عالم ہوئے ہوں گے۔

ایک بار افریقہ کے بادشاہ جرجیر شاہ کے پاس ایک معاملہ طے کرنے بھیجے گئے۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کے خلیفہ نے ایک نوجوان کو بھیجا ہے تو وہ مسکرایا لیکن جب بات چیت شروع ہوئی تو دنگ رہ گیا۔ پھر بولا "میں سمجھتا ہوں کہ آپ عرب کے سب سے بڑے عالم ہیں۔"

یہ تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو)

# حسنؓ اور حسینؓ کا بچپن

حضرت امام حسن اور حسین (اللہ ان سے راضی ہو) پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے۔ اُن کے ابّا جان کا نام حضرت علیؓ تھا۔ امّی جان کا نام بی بی فاطمہؓ تھا۔ اللہ نے دونوں بھائیوں کو بڑی سمجھ دی تھی۔ دونوں ہر بات بڑی سمجھ داری سے کرتے اور کہتے تھے۔ اپنے سے بڑی عمر والوں کو کوئی بات بتانی ہوتی تو بڑی حکمت کے ساتھ بتاتے۔ ایسی ہی ایک مزے دار بات سنیے :-

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی میں نماز اور وضو اور دین کی دوسری باتیں اچھی طرح سیکھ لی تھیں۔ ایک بار انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا، وہ وضو کر رہا تھا۔ اس نے غلط طریقے سے وضو کیا۔ دونوں بھائی سوچنے لگے کہ اس کا وضو کس طرح ٹھیک کرائیں؟ پھر دونوں بھائیوں نے بڑے مزے کی ترکیب سوچی۔

اس آدمی سے کہا "چچا میاں! ہم دونوں سگے بھائی ہیں۔ ہم آپ کے سامنے وضو کرتے ہیں۔ آپ دیکھیے، ہم میں سے کون اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے۔" یہ کہہ کر دونوں بھائی وضو کرنے بیٹھ گئے۔ اس آدمی نے دونوں بھائیوں کا وضو کرنا دیکھا تو سمجھ گیا کہ وضو کا ٹھیک طریقہ یہی ہے اور ان دونوں بچوں نے بڑی حکمت کے ساتھ مجھے وضو کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ وہ ان دونوں کی سمجھ داری سے بڑا خوش ہوا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ جسے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور حضرت فاطمہؓ نے ہر بات بتائی اور سکھائی ہو اس کا کیا کہنا!

دونوں بھائی بچے ہی تھے کہ ایک بار کسی بات پر لڑ پڑے۔ پھر ماں کے پاس شکایت لے کر گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا "مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں کہ حسنؓ نے مارا یا حسینؓ نے۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ تم دونوں پر اللہ میاں خفا ہوں گے۔ کیونکہ اللہ میاں لڑائی جھگڑا پسند نہیں کرتے۔

یہ سن کر دونوں بھائیوں نے سر جھکا لیا۔ پھر کہا" امّی جان! آپ معاف کر دیں، اب ہم کبھی نہ لڑیں گے۔"

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا" معافی اپنے اللہ سے مانگو، چلو وضو کرو اور نماز پڑھ کر خدا کو راضی کر لو۔"

دونوں بھائی وضو کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور بڑے بھولے پن سے اپنے مالک کے آگے گڑگڑا گڑگڑا کر معافی مانگنے لگے۔ کیسے اچھے تھے دونوں بھائی، اور کیسی اچھی تھیں بی بی فاطمہؓ۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔

# حضرت انسؓ کا بچپن

جب پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکّے سے ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو کچھ دنوں بعد ایک سمجھ دار خاتون آپ کے پاس آئیں۔ اُن کے ساتھ سات آٹھ سال کا ایک بچّہ تھا۔ سمجھ دار خاتون نے حضورؐ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! یہ میرا بیٹا ہے، مجھ کو اس سے بہت محبت ہے، میں مسلمان ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا بیٹا سچّا اور پکا مسلمان بنے۔ میں اسے آپؐ کی خدمت میں لے کر آئی ہوں تاکہ وہ آپؐ کے پاس رہے اور آپ سے وہ کچھ سیکھے جو آپ پھیلانا چاہتے ہیں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ دار خاتون کی بات مان لی۔ بچّے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ یہ بچّہ بھی ماں کی طرح بڑا سمجھ دار تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بات کرتے، جو بات کہتے، دیکھتا سنتا رہتا۔ حضورؐ کی بات بات یاد رکھتا۔ حضورؐ جو کام کرنے کو کہتے، دوڑ کر کر دیتا۔ ہر وقت حضورؐ کے حکموں پر کان لگائے رہتا۔ بڑے دھیان سے حضورؐ کا حکم سنتا اور بڑی سمجھ داری سے حضورؐ کا کہا کرتا۔

یہ بچّہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا فرماں بردار مشہور ہو گیا۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی سمجھتے تھے۔ اسی لیے آپؐ نے بڑے اچھے مذاق کے لفظ کہے۔ آپؐ نے بچّے کو پکارا "او دو کان والے"۔ آپؐ کا مطلب یہ تھا کہ او بہت بڑے فرماں بردار، لیکن جس نے آپؐ کا یہ پیارا مذاق سنا اسے بڑا مزہ آیا کیونکہ ہر شخص کے دو کان ہوتے ہیں۔

جس بچّے سے حضورؐ نے یہ پیارا مذاق کیا تھا، وہی بچہ آگے چل کر بہت بڑا عالم ہوا۔ اور آج ہم اس خوش قسمت بچّے کا نام اس طرح ادب کے ساتھ لیتے ہیں "حضرت انس رضی اللہ عنہ" (اللہ ان سے راضی ہوا)۔

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو کسی کام سے بھیجا۔ وہاں حضرت انسؓ کو دیر ہو گئی۔ ماں کو معلوم ہوا تو پوچھا "دیر کیوں ہوئی کون سا ایسا بڑا کام تھا؟" حضرت انسؓ تھے بچّہ ہی، مگر ماں کو ایسی سمجھ داری سے جواب دیا کہ ماں کو بھی پسند آگیا۔ جواب دیا "خدا کی قسم امّی! وہ ایک راز ہے پیارے نبیؐ کا، میں ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ امّی! آپ کو بھی نہ بتاؤں گا۔ کیونکہ پیارے رسولؐ نے اسے چھپانے کے لیے کہا ہے۔"

امّی نے یہ سنا تو بیٹے کی بڑی تعریف کی اور بولیں "ہرگز نہ بتانا، مجھے بھی نہ بتانا۔ بیٹا! وہ اللہ کے رسولؐ کا راز ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ بڑے ہو کر ہوئے بھی بڑے آدمی بچپن میں بھی بڑے سمجھ دار تھے اور اس عمر میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش رکھا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

# حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا بچپن

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت کم عمر صحابی (پیارے ساتھی) تھے۔ وہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑے صحابی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے، ام المومنین[1] حضرت عائشہؓ کے بھانجے، ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور صفیہؓ (پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) کے پوتے تھے۔ حضرت حمزہ[2] رضی اللہ عنہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) بھی اُن کے بزرگوں میں تھے۔ ماں کا نام حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تھا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی بیٹی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی یہ تین باتیں بہت مشہور ہیں:-

۱۔ اللہ کے سوا کسی اور سے نہ ڈرتے تھے۔

۲۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نچھاور کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

---

۱؎ ام المومنین کے معنی ہیں مسلمانوں کی ماں۔

۲؎ حضرت حمزہؓ اور حضرت صفیہؓ دونوں آپس میں سگے بھائی بہن تھے۔

۳۔ حق بات کہنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے تھے۔

یہی تینوں باتیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ میں بھی تھیں۔ وہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عبادت کرنے والے، سب سے بڑے بہادر اور سب سے اچھے تقریر کرنے والے تھے۔ اس زمانے کے مشہور بہادر مہلب سے کسی نے پوچھا "آج سب سے بڑے بہادر کون کون ہیں؟" مہلب نے تین بہادروں کا نام لیا۔ ان میں عبداللہ بن زبیرؓ کا نام نہ تھا۔ پوچھنے والے نے تعجب کے ساتھ کہا "اور عبداللہ بن زبیرؓ؟" مہلب نے جواب دیا "بے وقوف! میں انسان کا ذکر کر رہا ہوں اور تو حیوان کے بارے میں پوچھتا ہے۔"

مہلب کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو لوگ کیسا نڈر اور بہادر سمجھتے تھے۔ انھوں نے مشہور خلیفہ یزید کے مقابلے میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ انہی عبداللہ بن زبیر کے بچپن کا حال پڑھیے اور ویسا ہی بننے کی کوشش کیجیے:

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مدینے میں پیدا ہوئے۔ ان کے پیدا ہونے پر سارے مسلمانوں نے خوشی منائی۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالی۔ یہ نعمت وہ نعمت تھی جو دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے منہ میں گئی۔ کیسے خوش نصیب تھے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ! ان کے بچپن کے حالات بڑے مزے دار ہیں۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اس نے چیخ مار کر بچوں کو ڈرایا۔ بچے ڈر کر بھاگے، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سنبھل کر لوٹ پڑے اور بچوں کو پکارا "ساتھیو! ڈرو نہیں، تم سب مجھ کو سردار بنا کر اس پر حملہ کر دو۔"

ان کی آواز پر لڑکے لوٹ پڑے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو ساتھ لیا اور اس شخص پر حملہ کر کے اسے بھگا دیا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، اتنے میں حضرت عمر فاروقؓ ادھر سے نکلے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا سب پر بڑا رعب تھا۔ لڑکے اُن کو دیکھ کر بھاگے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کھڑے رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا "تم کیوں نہیں بھاگے؟" انھوں نے کڑک کر جواب دیا کہ "میں کیوں بھاگتا؟ نہ میں نے کوئی خطا کی اور نہ راستے کی چوڑائی کم تھی کہ آپ نکل نہ سکتے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ یہ جواب سن کر مسکراتے ہوئے چلے گئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ چار پانچ سال ہی کے تھے کہ دس ہزار کافروں نے مل کر مدینے پر حملہ کر دیا لیکن اللہ کے فضل سے مسلمانوں نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر سب کو مار بھگایا۔ ان کافروں سے جب مسلمانوں کی لڑائی ہوئی تھی تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے ایک دوست کو ساتھ لیتے، جا کر ایک ٹیلے پر کھڑے ہوتے اور لڑائی کا تماشا دیکھا کرتے تھے اور آپس میں کہتے "وہ دیکھو، وہ تیر آ کر گرا۔"

ان کی یہ بہادری اور ان کا یہ نڈر پن حضرت زبیرؓ نے دیکھا تو انھیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی عمر سات سال کی تھی۔ حضورؐ اس ننھے منّے بہادر مسلمان کو دیکھ کر مسکرائے اور اس کمسن مسلمان سے بیعت لی اور اسی وقت سے عبداللہ بن زبیرؓ حضورؐ کے پاس آنے لگے۔ حضورؐ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نے باقاعدہ اپنے پاس رکھ لیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے دین کا علم سیکھا۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ دین کی ساری باتیں اسی طرح کرتے تھے جس طرح پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھیں۔ اس وقت جو بڑے بڑے صحابہؓ موجود تھے وہ سب ان کی دینداری کی تعریف کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہا کرتے تھے "لوگو! اگر تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو ابن زبیرؓ کی نماز کی نقل کرو"۔

حضرت عمرو بن دینارؒ کہتے ہیں کہ "میں نے کسی نمازی کو ابن زبیرؓ سے زیادہ اچھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا"۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کو "بڑے اچھے نمازی، بڑے اچھے روزہ دار اور بڑے اچھے رشتہ دار کہا کرتے تھے"۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

# خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا بچپن

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے ایک مشہور خلیفہ گزرے ہیں۔ یہ اتنے اچھے خلیفہ تھے کہ بہت سے لوگ ان کو "خلیفہ راشد[۹]" کہتے ہیں۔ خلیفہ راشد کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خلیفہ جنھوں نے اسلامی حکومت کو ٹھیک ٹھیک

---

۹ خلفائے راشدین چار تو مانے ہوئے ہیں ہی، ۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، ۲۔ حضرت عمر فاروق رضؓ، ۳۔ حضرت عثمان غنی رضؓ، ۴۔ حضرت علی مرتضیٰ۔ بہت سے لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی ان کی خوبیوں کی وجہ سے پانچواں خلیفۂ راشد مانتے ہیں۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکموں کے مطابق چلایا اور خود بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکموں پر عمل کرتے رہے۔ ان کی خلافت کے زمانے میں اسلامی حکومت کو بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ ان کے بچپن کا ایک واقعہ کتابوں میں پایا جاتا ہے جو دلچسپ بھی ہے اور نصیحت والا بھی۔

ان کے والد عبدالعزیز بن مروانؒ (گورنر مصر) نے ان کو دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدینے بھیج دیا تھا۔ مدینے میں عمر بن عبدالعزیزؒ وہاں کے مشہور عالم حضرت صالح بن کیسانؒ کی نگرانی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور رہتے تھے اپنے ماموں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر۔ حضرت صالح بن کیسانؒ نے جس ذمہ داری سے انھیں تعلیم دی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار عمر بن عبدالعزیز نے نماز میں دیر کی۔ صالح بن کیسانؒ نے دیر ہونے کی وجہ پوچھی تو کہا کہ "بال سنوارنے میں دیر ہو گئی"۔ یہ سن کر حضرت صالحؒ نے غصّہ ہو کر فرمایا "اچھا! اب بالوں کے سنوارنے کو نماز سے بڑھ کر سمجھنے لگے"۔ حضرت صالحؒ نے فوراً عبدالعزیز (گورنر مصر) کو خط لکھا۔ وہاں سے ایک آدمی آیا، جس نے آتے ہی بال مونڈوا دیے اور عمر بن عبدالعزیزؒ دم نہ مار سکے۔

اس طرح تعلیم و تربیت پائی ننھی عمر بن عبدالعزیزؒ نے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی تربیت کی بدولت اللہ نے انھیں وہ توفیق دی کہ خلیفہ راشد کہلائے۔ (رحمۃ اللہ علیہ)۔

## علّامہ ابن تیمیہؒ کا بچپن

ایک بار حلب کے ایک بڑے عالم دمشق میں آئے۔ انھوں نے سنا کہ

یہاں ایک بچّہ ہے جس کا نام احمد بن تیمیہؒ ہے اور وہ سبق بہت جلد یاد کر لیتا ہے۔ ان کو اس بچّے کے دیکھنے اور امتحان لینے کا شوق ہوا۔ جس راستے سے ابن تیمیہ پڑھنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ وہاں وہ ایک درزی کی دُکان پر بیٹھ گئے۔ درزی نے بتایا کہ وہ بچّہ ابھی آتا ہوگا، یہی اس کے مکتب کا راستہ ہے، آپ تشریف رکھیے۔ تھوڑی دیر میں کچھ بچّے مکتب جاتے ہوئے گزرے۔ درزی نے کہا" دیکھیے وہ بچّہ جس کے پاس بڑی سی تختی ہے وہی ابن تیمیہؒ ہے۔

شیخ نے اس بچّے کو آواز دی۔ وہ آیا تو اس کی تختی لے لی اور کہا "اس تختی پر جو کچھ لکھا ہوا ہے اسے پونچھ ڈالو۔ جب وہ صاف ہو گیا تو انھوں نے اس پر گیارہ یا تیرہ حدیثیں لکھوا دیں اور کہا کہ ان کو پڑھ لو۔ بچّے نے ان کو ایک مرتبہ غور سے پڑھا۔ عالم صاحب نے تختی اٹھالی اور کہا کہ سناؤ بچے نے وہ سب حدیثیں سنا دیں۔ شیخ نے کہا" اچھا اب ان کو بھی پونچھ ڈالو پھر" حوالے اور سندیں" لکھ دیں اور کہا کہ پڑھو۔ بچے نے ایک بار غور سے دیکھا اور پھر سنا دیا۔ شیخ نے یہ تماشا دیکھ کر فرمایا: اگر یہ بچّہ زندہ رہا تو کچھ ہو کر رہے گا کیونکہ آج کل ایسی مثال ملنی مشکل ہے۔"

یہی ابن تیمیہؒ بڑے ہو کر اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم ہوئے۔ ایسے بڑے عالم کہ انھوں نے دنیا سے بُرائیاں مٹائیں۔ اسلام کے دشمنوں سے لڑے۔ علّامہ ابن تیمیہؒ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اپنے وقت کے بادشاہوں کو ٹوکتے اور نصیحت کرتے رہتے تھے۔ علّامہ صاحب کی کتابوں کو آج بھی بڑے بڑے عالم پڑھتے ہیں اور ان سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

# علاّمہ ابن جوزیؒ کا بچپن

علاّمہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آج کل ۱۳۹۱ھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ علاّمہ ابن جوزیؒ کی پیدائش کو ۸۸۳ برس ہو گئے۔ ان کے ماں باپ بغداد کے رہنے والے تھے۔ اس وقت بغداد میں بڑے بڑے عالم موجود تھے۔ ان کی والدہ صاحبہ نے اس وقت کے مشہور عالم ابن ناصر کے مکتب میں پہنچا دیا۔ اپنی طالب علمی کے زمانے کا حال علاّمہ صاحب خود بیان فرمایا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ:

"مجھے خوب یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں پڑھنے کے لیے مکتب گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستے میں بچوں کے ساتھ کھیلا ہوں یا زور سے ہنسا ہوں۔ سات برس کی عمر میں جامع مسجد کے سامنے والے میدان میں چلا جایا کرتا تھا اور بڑے بڑے عالموں سے حدیث کا درس سنا کرتا تھا۔ یہ عالم جو کچھ کہتے وہ مجھے یاد ہو جاتا۔ گھر آکر میں سب وہ لکھ لیتا۔ میری عمر کے دوسرے لڑکے دریائے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے یا کسی مداری کا تماشا یا کسی شعبدہ باز کے کرتب دیکھنے چلے جاتے تھے۔ لیکن میں ان سب سے الگ تھلگ کتابوں کے پڑھنے میں لگا ہوتا۔

میں اپنے استادوں اور دوسرے عالموں کے پاس جانے میں بہت جلدی کیا کرتا تھا۔ کبھی دیر ہو جاتی تو میں اتنا تیز دوڑ کر جاتا کہ میری سانس پھولنے لگتی۔ میرا دن اور میری راتیں پڑھنے ہی میں گزرتیں۔ میرے کھانے کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا۔ جو مل جاتا، اللہ کا شکر ادا کر کے کھا لیتا۔ اللہ کا شکر

ہے کہ میں نے پیٹ کے کارن کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور نہ اس سلسلے میں خدا کے سوا کسی اور کا مجھ پر احسان ہے"

دیکھا آپ نے! علّامہ صاحب کو بچپن ہی میں علم کا کتنا شوق تھا۔ پھر انھوں نے دین کا علم حاصل کرنے میں کتنی محنت کی۔ اس شوق اور محنت کا پھل ان کو یہ ملا کہ اللہ نے ان کی ساری مشکلیں آسان کر دیں۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ بیس ہزار کتابیں پڑھیں ہیں۔ کتابوں سے دل کبھی اُچاٹ نہیں ہوا۔ جب کوئی نئی کتاب مل جاتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ خزانہ مل گیا۔

اس طرح علّامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ دین کے بہت بڑے عالم ہوگئے انھوں نے بیس ہزار آدمیوں کو مسلمان بنایا اور لاکھوں آدمیوں نے ان کا وعظ سُن سُن کر بُرے کاموں سے توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو انہی کی طرح کام کرنے کی دُھن عطا فرمائے۔ آمین

# ایک ذہین بچّہ

ایک ملک ہے عراق۔ عراق میں ایک ندی ہے فرات۔ فرات کے کنارے ایک شہر ہے کوفہ۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سو برس کے بعد کوفے میں بڑے بڑے عالم تھے، اسی کوفے میں کہیں سے ایک آدمی آگیا۔ یہ آدمی بہت ہی پڑھا لکھا تھا لیکن تھا کافر، اور کافر بھی ایسا کہ اسلام سے دل ہی دل میں بہت جلتا۔ وہ اپنی باتوں سے یہ کوشش کرتا کہ مسلمانوں کا ایمان کمزور ہو جائے، اس طرح اس نے بڑی بے دینی پھیلا رکھی تھی۔

اچھا، یہ شخص کوفے میں آیا۔ اس نے کوفے کے عالموں سے تین سوال

کیے۔ کوئی عالم اس کے سوالوں کے جواب نہ دے سکا۔ اب وہ کافر بیچ بازار میں ایک اونچی جگہ پر روز کھڑا ہوتا اور ڈینگیں مارتا کہ مسلمانوں کے عالم اس کی بات کا جواب نہ دے سکے۔ مسلمانوں کو اس بات سے بڑا دکھ ہوتا۔ آخر اللہ تعالےٰ نے اس کافر کا منھ بند کرنے کے لیے ایک ذہین بچّے کو بھیج دیا۔

یہ طالب علم پڑھنے جا رہا تھا۔ اس نے اس کافر کو ڈینگیں مارتے دیکھا تو کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا "میں تیرے سوالوں کے جواب دوں گا"۔ اس طالب علم کو دیکھ کر کچھ لوگ اِدھر اُدھر سے اکٹھا ہو گئے۔ پوچھا "میاں صاحب زادے! تم اس کے سوالوں کے جواب دو گے؟"

جواب دیا "انشاء اللہ"۔

اس کافر نے پہلا سوال کیا "بتاؤ اس وقت تمہارا اللہ کیا کرتا ہے؟"

طالب علم نے سوال سن کر اس سے کہا "جناب پوچھنے والے سے بتانے والے کا درجہ بڑا ہوتا ہے اس لیے آپ اپنی جگہ سے نیچے آیئے اور میں آپ کی جگہ پر کھڑا ہوں، تب بتاؤں کہ میرا اللہ اس وقت کیا کرتا ہے"۔

طالب علم کی یہ بات اس کافر نے سنی تو وہ اونچی جگہ سے نیچے اُتر آیا۔ اب طالب علم اس اونچی جگہ پر جا کر کھڑا ہوا اور پکار کر کہا "لوگو! گواہ رہو، میرا اللہ اس وقت ایک کافر کے رتبے کو گھٹا رہا ہے اور ایک مسلمان بچّے کے رتبے کو بڑھا رہا ہے"۔

کمسن طالب علم کا یہ جواب سن کر لوگ چاروں طرف سے "واہ وا" کرنے لگے اور بولے "سچ ہے سچ ہے"۔ وہ کافر یہ جواب سُن کر بہت شرمندہ ہوا۔ اب وہ نیچی جگہ پر کھڑا تھا اور طالب علم اونچی جگہ پر، اور طالب علم اس کافر سے پوچھ رہا تھا "ہاں بتا تیرا دوسرا سوال کیا ہے؟"

اس کافر نے دوسرا سوال کیا "بتاؤ خدا سے پہلے کیا تھا؟"

طالب علم نے جواب دیا "جناب! ذرا آپ نو سے اُلٹی گنتیاں تو گنیے"۔
وہ کافر اس طرح گنتیاں گننے لگا نو، آٹھ، سات، چھ، پانچ، چار، تین، دو، ایک" اور چپ ہو گیا۔ طالب علم نے پوچھا "جناب آپ چپ کیوں ہو گئے۔ گنیے، گنیے ایک سے پہلے؟" اس نے جواب دیا "ایک سے پہلے کوئی گنتی ہی نہیں"۔ اب طالب علم نے مسکرا کر کہا "جناب! اللہ بھی تو ایک ہے، اس ایک اللہ سے پہلے ہو ہی کیا سکتا ہے!"

طالب علم کا یہ جواب سُنا تو وہ کافر ہکّا بکّا رہ گیا۔ وہ اپنے ماتھے کا پسینہ پوچھنے لگا۔ اور لوگ اس کمسن طالب علم کی سمجھ داری پر دنگ رہ گئے کچھ دیر کے بعد طالب علم نے اس کافر سے پوچھا "ہاں صاحب! آپ کا تیسرا سوال کیا ہے؟" اس نے تیسرا سوال یہ کیا کہ "خدا کا منہ کس طرف ہے؟"

اس سوال کا جواب دینے کے لیے لڑکے نے ایک موم بتّی منگوائی۔ موم بتّی آنے پر اسے جلایا، پھر اس کافر سے پوچھا "بتایے جناب! اس روشنی کا منہ کدھر ہے؟" کافر: "چاروں طرف"۔

طالب علم نے پھر پکار کر کہا "لوگو! گواہ رہو، اللہ بھی ایک نور یعنی روشنی ہے، اس کا منہ بھی چاروں طرف ہے، وہ چاروں طرف دیکھ رہا ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے"۔

تیسرے سوال کا جواب سُن کر کافر کا منہ بند ہو گیا۔ وہ اپنا سا منہ لے کر وہاں سے چلا گیا۔ لوگوں نے اس طالب علم کو بڑی شاباشی دی۔

آپ جانتے ہیں، یہ طالب علم صاحب کون تھے؟ یہ تھے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، جو بڑے ہو کر "بڑے امام" کہلائے۔ دنیا بھر کے مسلمان

اُن کا نام بڑی عزت سے لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان بزرگوں کی بتائی ہوئی باتوں پر چل سکیں۔

# امام ابو یوسفؒ کا بچپن

اگر آپ کسی پڑھے لکھے مسلمان سے پوچھیں کہ بڑے بڑے امام کون کون ہیں؟ تو وہ چار اماموں کے نام لے گا۔ ۱۔حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ۲۔حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ۳۔حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ۴۔حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔

ان چاروں اماموں میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو "امام اعظم" بھی کہا جاتا ہے۔ امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ کے دو شاگرد سب سے زیادہ مشہور ہوئے ایک تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، اور دوسرے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ۔ اگر اللہ تعالیٰ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ان دو شاگردوں کو نہ پیدا کرتا تو امام اعظمؒ کے علم کو آج کوئی نہ جانتا۔ ان دونوں شاگردوں نے امام اعظمؒ سے جو کچھ پڑھا اور سیکھا اسے ایسے قاعدے سے لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا کہ امام اعظم، امام اعظمؒ ہو گئے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ عام مسلمانوں کو دین پر عمل کرنے کا آسان طریقہ معلوم ہو گیا۔ اس آسان طریقہ کو "فقہ حنفی" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ فقہ حنفی کو امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے ہی ترتیب دیا تھا۔

امام اعظمؒ کے ان دونوں شاگردوں کو اللہ نے بڑا مرتبہ دیا تھا۔ ان میں امام ابو یوسفؒ کے علم کی دھوم اس وقت کے بادشاہ ہارون رشید نے سُنی تو اس نے انھیں اپنے ملک کا سب سے بڑا قاضی (چیف جسٹس) بنا دیا۔

ہارون رشید ان کا بڑا ادب کرتا تھا۔ امام صاحب اسے اس کی غلطیوں پر ٹوک دیا کرتے تھے اور وہ چپ ہو جاتا تھا۔ وہ جب کھانا کھاتا تو امام صاحب کو بھی ساتھ کھلاتا۔ ایک دن ہارون رشید کے سامنے پستہ کا تیل سے بنا ہوا فالودہ آیا۔ اس نے فالودہ امام صاحب کے آگے بڑھایا۔ فالودہ دیکھ کر امام صاحب کے آنسو نکل آئے۔ بادشاہ نے رونے کی وجہ پوچھی تو امام صاحب نے اپنے بچپن کا قصّہ اس طرح بیان فرمایا۔ آپ نے کہا:-

"کوفہ شہر میں ایک بوڑھا آدمی رہتا تھا۔ اس کا نام ابراہیم تھا۔ بوڑھا ابراہیم محنت مزدوری کرتا۔ بڑھاپے کی وجہ سے مزدوری کم ملتی۔ اس کی بیوی سوت کات کر کچھ کماتی۔ ان دونوں کی کمائی اتنی نہ ہوتی کہ گھر والے پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتے۔ بے چاروں کی یہ حالت تھی کہ صبح کو مل گیا تو شام کو بھوکے سو رہے اور اگر شام کو کھا لیا تو صبح بھوکے ہی مزدوری کو چلے گئے۔

اس بوڑھے ابراہیم کا ایک لڑکا تھا۔ لڑکے کا نام یعقوب تھا۔ یعقوب دس بارہ برس کا ہوا تو باپ نے سوچا کہ اسے بھی کسی کام سے لگانا چاہیے کچھ پیسے کما کر لائے گا، گھر کا کام چلے گا۔

یہ بات ابراہیم نے بیوی سے کہی۔ بیوی نے یعقوب کو ساتھ لیا، ایک دھوبی کے گھر گئی اور اس کے گھر پر نوکر رکھا دیا۔ مگر یعقوب کا دل کام میں نہ لگتا تھا۔ اسے علم کا بڑا شوق تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا والوں کو جو تعلیم دی ہے، اسے جانے۔ وہ چاہتا تھا کہ اللہ کے حکموں کو پہچانے۔ وہ چاہتا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ص کے حکموں کو معلوم کر کے دوسروں کو بتائے، دنیا میں دین پھیلائے۔

اب یعقوب یہ کرتا کہ گھر سے تو کام کے بہانے سے نکل جاتا، لیکن جا پہنچتا ایک درس گاہ میں۔ اس درس گاہ میں ایک بہت بڑے عالم صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا نام تھا ابو حنیفہؒ۔ حضرت ابو حنیفہؒ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اپنی دھن کا پکّا یعقوب حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سبق لیتا رہا۔ اس طرح ایک مہینہ ہوگیا۔ مہینے کے بعد ماں باپ نے بیٹے سے کہا کہ اس مہینے کی تنخواہ لائے؟ یعقوب تنخواہ کہاں سے لاتا۔ وہ دھوبی کے یہاں کام کرنے گیا ہو تو تنخواہ لائے۔ ماں باپ نے بار بار پوچھا تو پتہ چلا کہ بیٹا امام ابو حنیفہؒ کی درس گاہ میں پڑھنے جاتا ہے۔

یہ جان کر ماں بہت خفا ہوئی۔ لڑکے کو لے کر درس گاہ پہنچی۔ امام ابو حنیفہؒ کے پاس گئی اور بولی "حضرت یہ میرا لڑکا ہے، میں سوت کات کات کر کماتی اور اسے پالتی ہوں، اسے میں نے کمائی کرنے کے لیے ایک دھوبی کے گھر نوکر رکھا دیا تھا، لیکن یہ آپ کے پاس چلا آتا ہے، یہ پڑھ لکھ کر کیا کرے گا اسے سمجھایے، یہ کوئی دھندہ کرے جس سے روزی چلے۔"

یہ سن کر حضرت امام ابو حنیفہؒ مسکرائے اور فرمایا "اس لڑکے کو میرے پاس ہی چھوڑ جا۔ تو اسے روکھی سوکھی روٹی کھلانا چاہتی ہے اور یہ پستہ کے تیل کا بنا ہوا فالودہ کھانا چاہتا ہے۔"

ابو حنیفہؒ کے کہنے کا مطلب تو یہ تھا کہ تو اسے چھوٹا آدمی رکھ کر چھوٹی چھوٹی کمائی کراکر چھوٹے کام لینا چاہتی ہے اور یہ بڑا آدمی بن کر بڑے بڑے کام کرنا چاہتا ہے۔ لیکن بوڑھی عورت کچھ نہ سمجھی۔ اسے بڑا غصّہ آیا، بڑبڑاتی چلی گئی کہ اس بڈھے کی بھی مت ماری گئی ہے۔

بوڑھیا چلی گئی تو امام اعظمؒ نے اس کے گھر کا پورا خرچ اپنے ذمّے لے

لیا۔ امام صاحبؒ کے کاروبار میں اللہ نے بڑی برکت دی تھی۔ وہ ایک بڑی رقم یعقوب کے ماں باپ کو دینے لگے۔ اور میاں یعقوب اب اطمینان سے پڑھنے لگے۔ میاں یعقوب بڑی محنت سے پڑھتے۔ حضرت امام اعظمؒ نے بھی انھیں بڑی محنت سے پڑھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں یعقوب بھی بہت بڑے عالم ہو گئے حضرت امام اعظمؒ ان پر بھروسہ کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت نے وہ درسگاہ اور اپنی ساری کتابیں جن شاگردوں کو سونپیں، ان میں سے ایک یہی میاں یعقوب تھے۔ جو آگے چل کر "ابو یوسف" کے نام سے مشہور ہوئے اور وہی ابو یوسفؒ اس وقت آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں جن کے آگے آپ نے پستہ کے تیل سے بنا ہوا فالودہ بڑھا دیا۔

اے بادشاہ! اس وقت مجھے امام اعظمؒ کے وہ لفظ یاد آرہے ہیں جو انھوں نے میری ماں سے کہے تھے۔ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دسترخوان پر پستہ کے تیل سے بنا ہوا فالودہ پالیا۔ اللہ کی رحمت ہو امام اعظمؒ پر کتنی سچی بات نکلی اُن کی۔"

امام ابو یوسفؒ یہ کہانی سنا کر چپ ہو گئے۔ ہارون رشید بہت خوش ہوا اور جس نے یہ کہانی سنی وہ بھی بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی علم کا ایسا ہی شوق عطا فرمائے۔

# شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا بچپن

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ لوگ انھیں "بڑے پیر صاحب" کہہ کر پکارتے ہیں۔ بڑے پیر صاحب سچ مچ بڑے

اچھے بزرگ تھے، اچھے بزرگ ہی نہیں وہ دین کا پورا علم بھی رکھتے تھے۔ پھر اتنا ہی نہیں، وہ دین کی ہر بات اس طرح سمجھاتے تھے کہ چھوٹے بڑے سب کی سمجھ میں بات آجاتی تھی۔ آپ نے دین کی بڑی خدمت انجام دی، اسی لیے تو دنیا بھر میں آپ کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔ شیخؒ کا وطن قصبہ گیلان تھا لیکن آپ نے بغداد جاکر بڑے بڑے اماموں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ کے بچپن کا ایک قصّہ بہت مشہور ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ جب آپ اپنے قصبہ گیلان میں ابتدائی تعلیم حاصل کر چکے تو اپنی امّی جان سے کہا " امّی جان! میں اور پڑھوں گا۔" آپ کی امّی جان بھی بڑی اچھی تھیں۔ انھوں نے بیٹے کا شوق دیکھا تو بہت خوش ہوئیں اور بتایا کہ اس سے زیادہ پڑھنے کے لیے تم کو بغداد جانا پڑے گا۔ بڑے پیر صاحب بغداد جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ امّی جان نے خوشی خوشی اجازت دے دی اور چلتے وقت چالیس اشرفیاں دے کر کہا" پیارے بیٹے! میں تمہیں اللہ کے لیے چھوڑ رہی ہوں۔ نہ جانے تم سے پھر ملاقات ہو یا نہ ہو۔ بیٹا! میں تم کو ایک نصیحت کرتی ہوں۔ وہ یہ کہ تم ہمیشہ سچ بولنا، چاہے تم پر کتنی ہی مصیبت آئے، سچ ہی بولنا!"

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے امّی جان سے وعدہ کیا اور خدا حافظ کہہ کر ایک قافلے کے ساتھ بغداد کو روانہ ہو گئے۔ چلتے وقت آپ کی امّی جان نے وہ چالیس اشرفیاں آپ کے کپڑوں میں سی دی تھیں تاکہ کہیں گر نہ جائیں۔

اب سنیے، قافلہ چلا۔ ایک جنگل سے گزر رہا تھا کہ اچانک ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ مسافروں کا مال لوٹنے لگے۔ ایک ڈاکو نے شیخ عبدالقادرؒ سے پوچھا "لڑکے! تیرے پاس بھی کچھ ہے؟" آپ نے فرمایا" ہاں! میرے پاس چالیس

اشرفیاں ہیں۔" وہ ڈاکو سمجھا کہ لڑکا مذاق کر رہا ہے۔ وہ چلا گیا، دوسرا ڈاکو گزرا۔ اس نے بھی پوچھا "لڑکے تیرے پاس بھی کچھ ہے؟" آپ نے اسے بھی یہی جواب دیا کہ "ہاں! میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں۔" وہ ڈاکو بھی یہی سمجھا کہ لڑکا مذاق کر رہا ہے۔ اس طرح کئی ڈاکوؤں سے بات چیت ہوئی۔ یہ بات ڈاکوؤں کے سردار تک پہنچی۔ اس نے حکم دیا کہ لڑکے کو پکڑ لاؤ۔"

ڈاکو آپ کو سردار کے پاس لے گئے۔ سردار نے پوچھا "لڑکے! تیرے پاس بھی کچھ ہے؟" آپ نے جواب دیا "ہاں میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں۔" سردار نے پوچھا "کہاں ہیں؟" آپ نے بتایا کہ "یہ دیکھو میرے کپڑوں میں چھپی ہوئی ہیں۔"

آپ کے بتا دینے پر ڈاکوؤں کا سردار آپ کو دیکھنے لگا۔ پھر پوچھا "لڑکے! تجھے معلوم ہے کہ ہم قافلہ لوٹ رہے ہیں تو پھر تو نے اپنا مال بتا دیا؟" آپ نے جواب دیا کہ "میری امّی جان نے مجھ سے سچ بولنے کا وعدہ لے لیا تھا، اب میں جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں؟"

ایک چھوٹے لڑکے کا یہ جواب سنا تو ڈاکوؤں کے سردار کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ رونے لگا۔ پھر بولا "ایک بچے کو اپنی ماں سے کیے ہوئے وعدے کا تو اتنا خیال ہے کہ مال لٹ جانے کی بھی پرواہ نہیں۔ لیکن مجھ پر افسوس ہے کہ میں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اے خدا! تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرے حکموں پر چلوں گا۔ افسوس ہے کہ میں برسوں سے یہ وعدہ بھولا ہوا ہوں اور اپنے رب کی نافرمانی کر رہا ہوں۔"

اس کے بعد سردار نے توبہ کی۔ ڈاکوؤں کو حکم دیا کہ "سارے قافلے کا لوٹا ہوا مال واپس کر دو۔" اس کے حکم سے سارا مال واپس کر دیا گیا۔ اس کے

بعد دوسرے ڈاکوؤں نے بھی ڈاکہ ڈالنے سے توبہ کی۔

بچو! سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ یہ سب اللہ کا فضل تھا کہ حضرت عبدالقادرؒ کو ایسی اچھی ماں ملی اور یہ بھی اللہ کا فضل ہی تھا کہ آپ اچھی باتوں کو یاد رکھتے تھے اور ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اچھی باتوں کی توفیق دے۔

## سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن

تقریباً ڈیڑھ سو برس ہوئے ہمارے ملک میں ایک اللہ والے بزرگ گزرے ہیں، ان کا نام "سیّد احمد" تھا۔ اللہ کی رحمت ہو ان پر۔ سیّد صاحبؒ لکھنؤ کے قریب قصبہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ سیّد صاحبؒ کا دین پھیلانے اور اللہ کا پیام اللہ کے بندوں تک پہنچانے کے لیے ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام دنیا میں غلام بن کر رہنے کے لیے نہیں آیا۔ آپ یہ بھی فرماتے کہ جب تک کسی ملک کا انتظام اللہ کے ماننے والے بندوں کے ہاتھوں میں نہ ہو، اس وقت تک لوگ امن اور چین سے نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے انگریزوں کی حکومت کی مخالفت کی۔ سیّد احمد شہیدؒ کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اللہ کی راہ میں جہاد ہی کرتے کرتے آپ نے شہادت پائی۔ آپ کے بچپن کے حالات بھی بڑے دلچسپ اور ایمان بڑھانے والے ہیں۔ کچھ حالات ہم نیچے لکھتے ہیں:۔

سیّد احمد صاحبؒ کو بچپن میں کھیلوں کا بڑا شوق تھا۔ لیکن آپ بُرے کھیل نہیں کھیلتے تھے۔ آپ وہی کھیل کھیلتے جس سے جسم میں طاقت آئے

اور جن سے آدمی بہادر اور نڈر بن جائے۔ کبڈی آپ بڑے شوق سے کھیلتے۔ آپ اپنے ساتھیوں کی دو ٹولیاں بناتے، پھر ایک ٹولی کو حکم دیتے کہ وہ دوسری ٹولی پر حملہ کرے۔ اس کھیل میں آپ بڑی دلچسپی سے خود بھی شریک ہوتے اور کھیل کھیل میں قلعے جیتنے اور دشمنوں کو بھگانے کا مزہ لیتے تھے۔ کبھی کبھی آپ ایک "لشکرِ اسلام" بناتے اور نعرۂ تکبیر پکارتے ہوئے دوسری ٹولی پر حملہ کرتے۔

سید صاحبؒ کو کسرت کرنے کا بڑا شوق تھا۔ آپ روزانہ سورج نکلنے کے بعد ایک گھنٹہ ضرور کسرت کرتے اور کشتی لڑتے، پانچ پانچ سو ڈنڈ پیلتے۔ آپ کے یہاں بیس بیس، تیس تیس سیر اور من من بھر کے مگدر تھے، آپ انھیں کئی کئی گھنٹے ہلایا کرتے تھے، آپ تیرنا بھی اچھی طرح جانتے تھے۔

آپ کو بچپن سے جہاد کا شوق تھا۔ ایک بار اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگانے کا موقعہ آیا تو آپ بھی تلوار لینے گھر دوڑے۔ تلوار لے کر اپنی امی جان سے اجازت لینے گئے۔ وہ اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں۔ اتنے میں ان کی دودھ پلائی" آگئیں، انھوں نے سیّد صاحب کو روکا اور کہا" بیٹا تمہیں کیا پڑی؟ تم کیوں اپنی جان جوکھم میں ڈالتے ہو۔"

سید صاحبؒ کی والدہ نے نماز کا سلام پھیرا۔ حال پوچھا۔ نیک بی بی نے سب کچھ سُن کر کہا" بُوا! بے شک تم کو احمد سے محبت ہے، مگر میرے برابر نہیں ہو سکتی۔ احمد پر میرا حق تم سے زیادہ ہے لیکن بھلا سوچو تو سہی، یہ روکنے کا کون سا موقعہ ہے، اسے جانے دو۔" پھر پیارے بیٹے سے بولیں" بیٹا! جلدی سے جاؤ، لیکن دیکھنا مقابلے میں پیٹھ نہ دکھانا، نہیں تو عمر بھر صورت نہ دیکھوں گی۔"

سیّد صاحبؒ لڑنے کے لیے چلے گئے۔ لیکن کچھ سمجھ دار آدمیوں نے

بیچ میں پڑ کر جھگڑا کرنے والوں میں میل کرا دیا۔

سیّد صاحبؒ پر یہ اللہ کا فضل تھا کہ ایک طرف انھیں خدا کی طرف سے بڑی ہی طاقت ملی تھی، اور آپ نے ایسا دل پایا تھا جس میں "ڈر" نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ ساتھ ہی آپ کو ایسی اچھی امّی جان ملی تھیں جو آپ کو ہر نیک کام کے لیے ہر وقت اُبھارتی رہتی تھیں۔ اللہ کی رحمت ہو سیّد احمد شہیدؒ پر اور اللہ کی رحمت ہو آپ کی امّی جان پر۔

# مولانا مودودی کا بچپن

مولانا مودودی صاحب کا پورا نام جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ ہے۔ لیکن آپ "علاّمہ مودودی" کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ مودودی صاحب اس دور کے بہت بڑے ایک عالم تھے۔ عالم ہی نہیں، آپ کے پاس جو "علم" تھا آپ اسے دوسروں تک بڑے اچھے طریقے سے پیش بھی کرتے رہتے تھے۔ آپ کے لکھے ہوئے مضمون جو سمجھ دار آدمی پڑھتا ہے بڑا اثر لیتا ہے۔ مودودی صاحب بڑی اچھی اچھی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ آپ کی کتابیں دنیا بھر میں مشہور ہو چکی ہیں اور ان کے ترجمے بہت سی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

علاّمہ مودودی صاحب رات دن اسلامی حکومت قائم کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے اور اس کے لیے تن من دھن سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ آپ نے بچپن کا حال خود لکھا ہے۔ جو بڑا دل چسپ ہے، ہم مودودی صاحب ہی کے لکھے ہوئے مضمون میں سے ان کے بچپن کا کچھ حال نیچے لکھتے ہیں کہیں کہیں کوئی کوئی لفظ ہم نے ذرا آسان کر دیا ہے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"مجھے اپنی بہت چھوٹی عمر کی باتیں ابھی تک یاد ہیں۔ مجھے اپنی وہ حیرت اب تک یاد ہے جو پہلی مرتبہ یہ سن کر ہوئی تھی کہ ابا کے ابا کو دادا، اور ابا کی امّی کو دادی کہتے ہیں۔ میرا دل یہ یقین کرنے کو کسی طرح تیار نہ تھا کہ ابا بھی کسی کے بیٹے ہو سکتے ہیں۔ اور نہ میں یہی سوچ سکتا تھا کہ میرے ابّا بھی میری ہی طرح بچّے تھے۔ یہ نئی بات جان کر میں اس پر بہت دنوں تک غور کرتا رہا۔ یہ بات بڑی جانچ پڑتال کے بعد میری سمجھ میں آئی کہ جتنے لوگ اب بڑے بوڑھے ہیں یہ سب کبھی بچے ہی تھے اور ان کے بھی کوئی ماں باپ تھے۔

جب میں چھوٹا تھا تو میں "ابا" اور "امّاں" کے کوئی معنی نہیں جانتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور میں ان کے پاس کہاں سے آ گیا ہوں؟ ہاں یہ ضرور تھا کہ میں اپنے والد کو دنیا کا سب سے بڑا اور اچھا آدمی اور اپنی والدہ صاحبہ کو سب سے اچھی عورت سمجھتا تھا۔

مجھے سب سے زیادہ مزہ اس وقت آتا تھا جب میں بیمار ہوتا یا مجھے کوئی چوٹ لگ جاتی اور میرے والدین میرے لیے پریشان ہوتے تھے۔ اسی مزے کے لیے کبھی کبھی جان بوجھ کر بھی میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیتا تھا۔ اس وقت جو بے چینی میری والدہ اور والد کے دل میں پیدا ہوتی تھی، اس کو دیکھ کر میرا دل یہ کہتا تھا کہ انھیں میری بہت فکر ہے۔ ان ہی باتوں سے میری سمجھ میں آیا کہ ماں باپ اور دوسرے لوگوں میں کیا فرق ہے۔

میرے والد مرحوم نے میری تربیت بڑے اچھے طریقے سے کی تھی۔ وہ دہلی کے شریف لوگوں کی نہایت ستھری زبان بولتے تھے۔ انھوں نے شروع ہی سے یہ خیال رکھا کہ میری زبان بگڑنے نہ پائے۔ جب کبھی میری زبان پر کوئی غلط لفظ چڑھ جاتا، یا کوئی بازاری لفظ میں سیکھ لیتا تو وہ مجھے ٹوک دیتے اور

صحیح بولنے کی عادت ڈلواتے۔ بعد میں مجھ کو ہندوستان کے بہت سے شہروں میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مگر بچپن میں جو زبان پختہ ہو چکی تھی، اس پر کسی جگہ کی بولی کا اثر نہ پڑ سکا۔

میرے ابّا جان راتوں کو مجھے پیغمبروں کے قصّے، تاریخ اسلام اور تاریخ ہندوستان کے واقعات اور نصیحت بھری کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ اس کا مفید اثر میں اب تک محسوس کر رہا ہوں۔

میرے ابّا میرے اخلاق کی درستی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ انھوں نے مجھے ایسے بچّوں کے ساتھ نہیں کھیلنے دیا، جن کی عادتیں بگڑی ہوئی ہوں۔ جب کبھی میں کوئی بُری عادت سیکھتا تو بڑی کوشش سے اس کو چھڑاتے تھے۔

ایک بار میں نے ایک ملازمہ کے بچّے کو مارا تو انھوں نے اس بچّے کو بُلا کر کہا "تو بھی اسے مار!" اس سے مجھے ایسی نصیحت ملی کہ پھر میرا ہاتھ کسی کمزور پر نہیں اٹھا۔ وہ مجھے زیادہ تر اپنے ساتھ اپنے دوستوں کے پاس لے جاتے تھے۔ ان کے دوست سب کے سب بڑے شریف اور پڑھے لکھے لوگ تھے۔ ان بزرگوں کے پاس بیٹھنے سے میں بڑی اچھی عادتیں سیکھ گیا۔

میرے والد مرحوم نے میرے پڑھنے کا انتظام گھر ہی پر کیا تھا۔ اس انتظام سے ان کا مطلب یہ تھا کہ میں بُرے لڑکوں کی بُری عادتوں سے بچا رہوں اور میری بولی خراب نہ ہو۔

گھر کی تعلیم میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔ میں نے گھر پر پانچ چھ سال میں اتنا علم حاصل کر لیا کہ جتنا دوسرے طالب علم آٹھ دس سال میں حاصل کر سکتے ہیں۔ گیارہ سال کی عمر میں جب میں مدرسے کی آٹھویں جماعت

میں داخل کیا گیا تو تمام طالب علموں سے عمر میں چھوٹا ہوتے ہوئے بھی میں سب سے اچھا طالب علم تھا۔

مدرسے پہنچ کر میں نے مدرسے کے شریف اور علم کے شوقین لڑکوں سے دوستی کرلی۔ میں اپنے استادوں کا بہت ادب کرتا تھا۔ میرے استاد بھی مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔

مدرسے ہی میں مجھ کو پہلی مرتبہ مضامین لکھنے اور تقریروں میں حصّہ لینے کا موقعہ ملا۔ اس سے مجھ کو احساس ہوا کہ مجھ میں زبان اور قلم سے کام لینے کی کچھ صلاحیت ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں مجھ کو مدرسے سے دل چسپی پیدا ہوگئی اور پھر میں تعلیم میں اتنی دل چسپی لینے لگا کہ جب لمبی چھٹیاں آتیں تو پہلے ہی سے ہم چند لڑکے آپس میں یہ پروگرام طے کر لیا کرتے تھے کہ روزانہ ایک جگہ جمع ہوا کریں اور مطالعہ کیا کریں گے اور مل جل کر اچھے کھیل بھی کھیلا کریں گے۔

لیکن

اچھّا کھلاڑی میں کبھی نہ بن سکا۔

# بچّوں کے لیے سبق آموز کہانیاں

بے وقوف کی تلاش (مائل خیرآبادی)
بدنصیب "
بنتِ حوّا "
بھولے بھیّا "
بہت خوب "
بنتِ اسلام "
بڑوں کی مائیں "
بُشریٰ کے خطوط "
بہاریں لوٹ آئیں گی (وصی اقبال)
پیشین گوئیاں (مائل خیرآبادی)
پھول کی پتّی "
پیارے نبیؐ ایسے تھے "
پیاری بیٹی کے نام (متین طارق)
پیارے رسول (افضل حسین)

پہاڑی کے چراغ (آباد شاہ پوری)
بچے اور اسلام (جلال الدین عمری)
نقلی شہزادہ (مائل خیرآبادی)
تعمیر سیرت کے لوازم (نعیم صدیقی)
تربیتی کہانیاں اول (مائل خیرآبادی)
" " دوم "
" " سوم "
" " چہارم "
ترکستان سے ترکی تک "
جنّتی بچّہ "
جانباز ساتھی "
حضرت سلمان فارسیؓ (بھاول خاں ناگرہ)
" عمر ثانیؒ (مائل خیرآبادی)
خواتین کے دلوں کی باتیں "
خانہ آبادی

خدیجۃ الکبریٰ (مائل خیرآبادی)  
دودھ کا پوت "  
دانا حکیم "  
دانا حکیم کی دانا بیٹی "  
دو انسان ایک کردار "  
دو مسافر (مقبول احمد سیوہاروی)  
زبان کا زخم (مائل خیرآبادی)  
زبان کی حفاظت (بنت الاسلام)  
سچے افسانے (مائل خیرآبادی)  
سینا کے بیاباں میں (ابن احمد قرنی)  
شہزادۂ توحید (مائل خیرآبادی)  
صادقہ (بنت الاسلام)  
صبر "

فیصلے (مائل خیرآبادی)  
قانون جنت "  
نماز کیسے پڑھیں "  
۹۹ قتل کے بعد "  
گڈو کے گیت "  
گڈو کی گڑیا "  
گڑیا کا وعظ "  
گڈو کے نغمے اول (متین طارق)  
گڑیا کی نظمیں "  
مہمان ریچھ (مائل خیرآبادی)  
مرحلے "  
مزدور یا فرشتے "  
مرد ناداں "